المراقبہ

(یادِ الٰہی کی فکر)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۷
۲	فکر کی ضرورت	۸
۳	فکر کی حقیقت	۹
۴	فکر دنیا کی حقیقت	۱۰
۵	ترکِ دنیا کے بارے میں امام غزالیؒ کا قول	۱۱
۶	ناجائز مال جمع کرنے کا نقصان	۱۳
۷	ناپسندیدہ حالت	۱۳
۸	حاجی صاحبؒ کا اندازِ تربیت	۱۴
۹	حصولِ دنیا پریشانی کا سبب ہے	۱۵

۱۰	کثرت مال کا نقصان	۱۶
۱۱	کثرتِ جماع کا نقصان	۱۶
۱۲	اللہ تعالیٰ کی حفاظت	۱۶
۱۳	دوستوں اور اولاد سے تعلق کی حقیقت	۱۸
۱۴	لوگوں کے اعتقاد کی حقیقت	۱۹
۱۵	مخلوق سے محبت ادائے حقوق کے لئے ہو	۱۹
۱۶	اللہ تعالیٰ سے محبت بے فکری کا باعث ہے	۲۰
۱۷	طالبانِ دنیا کا حال	۲۰
۱۸	اہل اللہ اور بچوں کی زندگی راحت کی ہے	۲۱
۱۹	آج کل کی تہذیب	۲۲
۲۰	اہل اللہ کی آزادی	۲۳
۲۱	دنیا داروں کی آزادی کا حال	۲۴
۲۲	دنیا میں حصولِ راحت کا طریقہ	۲۵

۲۳	مصائب کا فائدہ	۲۶
۲۴	انوکھا علاج	۲۷
۲۵	اہل اللہ کی راحت کا راز	۲۸
۲۶	محبت کا خاصہ	۲۹
۲۷	اہل اللہ کا موت اور اس کے بعد کا حال	۳۰
۲۸	حضور ﷺ کی امت کے بارے میں فکر	۳۱
۲۹	نورِ ایمان کا خاصہ	۳۲
۳۰	اللہ والوں کا حال	۳۲
۳۱	غوثِ اعظمؒ کا حال	۳۳
۳۲	حضور ﷺ کی شفقت	۳۳
۳۳	پُر لطف زندگی گزارنے کا طریقہ	۳۴
۳۴	دستور العمل کا خلاصہ	۳۵
۳۵	آیت کا ترجمہ وتشریح	۳۶

۳۶	اللہ کی یاد کو اصلی کام بناؤ	۳۷
۳۷	رِیا کی حقیقت	۳۸
۳۸	ذکر و فکر کا اہتمام	۳۹
۳۹	خلاصۂ وعظ	۳۹

وعظ

المُراقبہ

(یادِ الٰہی کی فکر)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنے ہی گھر میں خواتین کی درخواست پر یہ وعظ دوشنبہ ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ کو کرسی پر تشریف فرما ہو کر ڈھائی گھنٹہ تک ارشاد فرمایا جس میں اصلاحِ احوال کے لئے ذکر و فکر کی اہمیت کو واضح کیا گیا نفع عام میں یہ وعظ بے نظیر ہے۔

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے ضبط فرمایا سامعین کی تعداد تقریباً ۶۰ تھی۔
ذاکرین و سالکین کے لئے یہ وعظ بہت مفید ہے۔

(خلیل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد** : فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿ انّ فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار لآیات لاولی الاباب الذین یذکرون اللّٰہ قیاما و قعودا و علی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحنك فقنا عذاب النار ﴾(۱)

تمہید

یہ آیت ہر چند کہ ایک خاص مضمون کے متعلق وارد ہے یعنی توحید کے مگر اس کے ضمن میں حق تعالیٰ نے چند باتوں پر تنبیہ فرمائی ہے اور ان کی ترغیب دی ہے مجھے ان کے متعلق اس وقت کچھ بیان کرنا ہے اور وہ دو عمل ہیں جو توحید کے ضمن میں یہاں مذکور ہوئے ہیں مجھے اِن میں سے ایک کو مقصوداً بیان کرنا ہے اور دوسرے کو تبعًا(۲)، اور وجہ ان کے بیان کرنے کی یہ ہے کہ ہماری دینی خرابی اور دنیوی خرابی جو کچھ ہورہی ہے اس کے بہت سے اسباب ہیں منجملہ ان کے ایک سبب اس آیت میں مذکور(۳) ہے اول تو میرے ذہن میں ان سے ایک ہی وجہ آئی

(۱) سورۂ اٰلِ عمران: ۱۹۰۔۱۹۱ (۲) ضمنًا (۳) ایک سبب اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

تھی مگر آیت میں غور کرنے سے دوسری وجہ اور معلوم ہوئی، تقریر اس کی یہ ہے کہ یہاں دو عملوں کی ترغیب ہے ایک ذکر کی ایک فکر کی، اور ان ہی دونوں میں کوتاہی کرنا ہماری دنیوی اور دینی خرابی کا سبب ہے ہر چند کہ اس آیت میں خاص فکر کا ذکر ہے جو کہ آسمان و زمین کی پیدائش اور بناوٹ میں کیا جائے کیونکہ یہ موقع اثبات توحید کا (۱) ہے اور مقصود مقام یہی ہے اور اثباتِ توحید میں تفکر فی السماء والارض کو خاص دخل ہے (۲) جس کا حاصل یہ ہے کہ ان مخلوقات میں غور کرو کہ یہ سب حادث (۳) ہیں اور حادث کے وجود کے لئے مرجح (۴) کی ضرورت ہے اگر مرجح بھی حادث (۵) ہوا تو اس کے لئے پھر مرجح کی ضرورت ہوگی اور سلسلہ غیر متناہی چلے گا اور تسلسل محال ہے پس ضرور ہے کہ انتہا واجب (۶) پر ہوگی اور اسی کو ہم اللہ کہتے ہیں۔

فکر کی ضرورت

غرض فکر اس جگہ مقید ہے مگر مجموعۂ آیات سے جو اس باب میں وارد ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ہر چیز میں فکر ہونی چاہئے رسالت میں بھی توحید میں بھی، اسی طرح اور کوئی عمل بھی فکر سے خالی نہ ہونا چاہئے اب دیکھنا چاہئے کہ اس باب میں ہمارا کیا حال ہے، سو ہماری حالت یہ ہے کہ ہم کو کسی کام میں فکر نہیں ہوتی اپنی ہر حالت کو یاد کر کے دیکھ لو کوئی وقت بھی ایسا ہوتا ہے کہ جس میں ہم فکر کرتے ہوں یا کسی کام میں سوچ سے کام لیتے ہیں؟ یقیناً آپ اپنے سب اوقات کو فکر سے خالی پائیں

(۱) مسئلہ توحید کو ثابت کرنے کا موقع ہے (۲) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ثابت کرنے میں زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کو خاص دخل ہے (۳) ایک دن ختم ہونے والی ہیں (۴) فنا ہونے والی چیز کے وجود کے لئے کسی وجہ ترجیح کی ضرورت ہوتی ہے (۵) اگر وہ وجہ ترجیح بھی فانی ہو تو اس کے بعد پھر اس کے لئے وجہ ترجیح کی ضرورت ہے تو یہ سلسلہ تو لامتناہی بن جائے اور تسلسل محال ہے (۶) پس اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی انتہا ایک ایسی ذات پر ہو جو خود بخود موجود ہو اس کا کوئی مؤجِد نہ ہو جس کو واجب الوجود کہتے ہیں اور اسی کو خدا کہتے ہیں۔

گے حالانکہ قرآن و حدیث میں تو توحید و رسالت تک میں بھی فکر کی تاکید ہے گو
توحید و رسالت کے حاصل ہوتے ہوئے ان میں فکر نہ کرنے کی شکایت نہ ہو کیونکہ
اس فکر کا نتیجہ بحمداللہ ہم سب کو حاصل ہے کیونکہ بحمداللہ سب مؤمن مسلمان ہیں یہ
اور بات ہے کہ خللِ اعمال کی وجہ سے ایمان کی نورانیت بعض میں کم ہے باقی
نفسِ ایمان میں کمال و نقص نہیں ہے بحمداللہ نفسِ ایمان سب کو حاصل ہے حتی
کہ نفسِ ایمان فاسق کو بھی حاصل ہے بعض عارفین کا قول ہے کہ ضعیف ایمان کا
نور بھی اگر ظاہر ہو جائے تو آسمان و زمین سب کو چھپالے بہرحال یہ فکر اگر نہ ہو تو
کچھ شکایت نہیں کیونکہ اس فکر کا حاصل یہ ہوگا کہ شئے موجود کو قوی کیا جائیگا اور
موجود کو قوی کرنا مفقود(۱) کے حاصل کرنے سے مؤخر ہے مقدم یہ ہے کہ مفقود کو
حاصل کیا جائے، میں اسی فکر کو بتلانا چاہتا ہوں جس کی ہر عمل میں ضرورت ہے۔

فکر کی حقیقت

اور وہ فکر یہ ہے کہ جزا وسزا میں فکر کیا جائے چنانچہ سورۂ رحمٰن میں اول
سے آخر تک اسی کا بیان ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی نعمتیں اور عقوبتیں(۲) بیان فرما کر
بار بار سوال کیا ہے: ﴿فَبِاَیِّ آلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ ﴾(۳) جس کا حاصل یہی ہے
کہ ان نعمتوں کو اور عقوبتوں کو سوچنا اور یاد کرنا چاہئے مگر اس مقام پر کسی طالبعلم کو
یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ نعمتوں کے ساتھ تو ﴿فَبِاَیِّ آلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ﴾ موقع پر
ہے مگر عذاب کے ساتھ اس کے ذکر کا کیا موقع ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب کے ذکر سے انسان کو تنبیہ ہوتی ہے اور وہ

---

(۱) موجودہ چیز کو قوی کرنے سے پہلے یہ کام ضروری ہے کہ جو چیز موجود ہی نہ ہو اس کو حاصل کیا جائے (۲) انعامات اور سزائیں (۳) ''سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' سورۂ رحمٰن: ۱۳۔

عذاب کو سوچ کر نافرمانی سے بچتا ہے اس حیثیت سے اُس کا ذکر بھی نعمت ہے اگر ہم کو فکر کی عادت ہوتی تو یہ راز معلوم ہوجاتا اس کی ایسی مثال ہے جیسے حاکم منادی (۱) کراتا ہے کہ جو شخص سرکاری درخت کاٹے گا اس پر اس قدر جرمانہ ہوگا اور سزا دی جائیگی عاقل اس منادی کو بھی نعمت سمجھے گا کہ اس منادی کی وجہ سے ہم جیل خانہ سے بچ گئے اگر ہم کو خبر نہ ہوتی تو قید بھگتنا پڑتی یا طبیب کسی مضر شے کی مضرت (۲) سے ہم کو اطلاع دے تو عاقل اس کی بھی قدر کرے گا' اسی طرح یہاں سمجھو کہ عذاب گو فی نفسہ نعمت نہ ہو مگر اس سے مطلع کردینا ضرور نعمت ہے پس اب: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ﴾ کسی جگہ بے موقع نہیں ہے بہرحال سارا قرآن فکر کی تاکید سے بھرا ہوا ہے کہیں قیامت کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (۳) کہ ان کو قیامت کے امکان کو سمجھنے کے لئے ملکوت سمٰوات وارض میں نظر کرنا چاہئے نظر وفکر ایک ہی ہے' ایک جگہ ارشاد ہے ﴿لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ﴾ (۴) اللہ تعالیٰ نے یہ احکام صاف صاف اس لئے بیان فرمائے ہیں تاکہ تم دنیا وآخرت میں فکر کرو۔

فکرِ دنیا کی حقیقت

یہاں تفکر فی الدنیا (۵) کی بھی تاکید ہے اس پر یہ اشکال ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں تفکر کی کیا ضرورت ہے بلکہ اُس سے تو فکر کو ہٹانا چاہئے۔ اشکال سننے کے بعد اب دو تفسیریں سنو! جن میں ایک دوسرے سے لطیف ہے ایک تفسیر تو یہ ہے کہ دنیا کے اندر جو فکر مذموم (۶) ہے وہ وہ ہے جو تحصیل

(۱) اعلان کراتا ہے (۲) کسی نقصان دہ چیز کے نقصان سے ہمیں باخبر کرے (۳) سورۂ اعراف: ۱۸۵ (۴) سورۂ بقرہ: ۲۱۹، ۲۲۰ (۵) دنیا کے بارے میں بھی فکر کرنے کی تاکید ہے (۶) دنیا کی جو فکر بری ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کو مقصود بالذات سمجھ کر اس کے حصول کی فکر میں کھپا رہے۔

دنیا کے لئے ہو اس کو مقصود بالذات سمجھ کر اور اگر مقصود بالذات نہ سمجھے تو وہ فکر بھی جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے: ((طلب الحلال فريضة بعد الفريضة))(۱) اور طلب کے لئے فکر لازم ہے مگر یہ فکر مقصوداً مطلوب نہیں بلکہ تبعاً ہے کیونکہ دنیا بقدرِ ضرورت کو دین کی تکمیل و تحصیل میں دخل ہے۔

دوسری تفسیر اس سے لطیف ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں تفکر کرو موازنہ کے لئے کہ ان میں کون قابل اختیار کرنے کے ہے اور کون قابل ترک ہے اور دنیا میں جو فکر مذموم ہے وہ وہ ہے جو تحصیل کے لئے ہو اور جو فکر ترک دنیا کے لئے ہو وہ تو مطلوب ہے، پہلی تفسیر کا حاصل یہ تھا کہ دنیا میں تبعًا تفکر کرو اور آخرت میں مقصودًا اور دوسری تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ دونوں میں مقصودًا تفکر کرو موازنہ کے لئے اہل اللہ نے دنیا میں فکر کر کے ہی اس کی حقیقت کو سمجھا ہے اسی لئے ان کو دنیا سے سخت نفرت ہے۔

ترکِ دنیا کے بارے میں امام غزالیؒ کا قول

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر آخرت کا وجود نہ ہوتا یا تحصیل دنیا آخرت سے مانع(۲) نہ ہوتی تب بھی دنیا کی حقیقت ایسی ہے کہ اس کو معلوم کر کے عاقل ہرگز اس کی طرف رغبت نہ کرتا اور آخرت کے مقابلہ میں تو اس کا طلب کرنا محض حماقت اور جہالت ہے شاید اس پر اہل دنیا کو یہ سوال ہو کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ دنیا خود قابلِ ترک ہے ہماری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آئی ہم تو دیکھتے ہیں کہ دنیا سے بہت راحت ملتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی ایسی مثال ہے جیسے سانپ کے کاٹے کو نیم کے پتے میٹھے معلوم ہوتے ہیں مگر تندرست آدمی کو کڑوے معلوم ہوتے ہیں پس آپ کو دنیا اس لئے اچھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی ایمانی حس درست نہیں

(۱) حلال روزی کا طلب کرنا فرض ہے (۲) دنیا میں انہماک آخرت سے روکنے والا نہ ہوتا۔

اگر ایمانی حِس درست ہوتی جس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں ؎

صحت ایں حس بجوئید از طبیب صحبت آں حس بجوئید از حبیب (۱)

کہ ایمان کی حس اگر درست کرنا چاہو تو اس کا طریقہ مقبولان الٰہی سے پوچھو بہرحال وہ حس جو مجاہدات کے ذریعہ سے خانقاہوں میں حاصل کی جاتی ہے درست ہو تو اس کہنے کی بھی ضرورت نہ رہے کہ آخرت ایسی چیز ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا قابل ترک ہے بلکہ تم خود بخود دنیا سے دلبرداشتہ ہو جاؤ۔ اس کی حالت کو ان لوگوں سے پوچھئے جن کی عمر دراز ہوگئی ہے جنہوں نے دنیا کو اچھی طرح آزمایا ہے اور اس کے سرد و گرم کا تجربہ حاصل کیا ہے چنانچہ ایسا ہی ایک تجربہ کار شاعر کہتا ہے ؎

ومن یحمد الدّنیا لعیش یسره فسوف لعمری عنقریب یلومها

اذا ادبرت كانت على المرء حسرة وان اقبلت كانت كثيرا همومها

''کہ جو شخص کسی خوش کن عیش کی وجہ سے دنیا کی تعریف کررہا ہے میری جان کی قسم وہ عنقریب اس کی خود ہی برائی کریگا اس کی حالت یہ ہے کہ جب یہ چلی جاتی ہے تو آدمی کو حسرت و رنج دیکر جاتی ہے اور جب آتی ہے تو بہت سے افکار ساتھ لاتی ہے''

اور یہ حسرت انہی لوگوں کو ہوتی ہے جو اس میں پھنسے ہوئے ہیں ورنہ عاقل کو خصوصاً عارف کو حسرت نہیں ہوتی کیونکہ کٹ کھنا کتا چلا جائے (۲) تو خوشی کی بات ہے مگر جو لوگ دنیا کے عاشق ہیں ان کے یہاں چوری ہو جائے تو ان کی بُری حالت ہو جاتی ہے۔

---

(۱) جسم کی صحت اطباء سے معلوم کرو اور حسِ ایمانی کی درستی کے لئے مقبولانِ الٰہی سے رجوع کرو (۲) ایسا کتا جسے لوگوں کو کاٹنے کی عادت ہو۔

ناجائز مال جمع کرنے کا نقصان

چنانچہ بعض لوگ تو حسرت وغم میں مرگئے ہیں میں نے اسی قصبہ کی حکایت سنی ہے کہ سکھو والی مسجد کے ایک پردیسی مُلّا کے پاس سو اشرفیاں (۱) جمع ہوگئی تھیں وہ ان کو روز شمار (۲) کیا کرتا تھا محلّہ کے شُہدوں کو پتہ (۳) چل گیا اور موقع پاکر سب نکال لئے گئے' پھر حافظ جی کی دعوت کی اور خوب عمدہ کھانے کھلائے' جب حافظ جی کھانے کی تعریف کرتے تو وہ بار بار یوں کہتے کہ حافظ جی سب آپ کی جوتیوں کا صدقہ ہے حافظ جی کو اپنی رقم کا کھٹکا ہوا (۴) جلدی سے حجرہ میں آئے اور اشرفیوں کو تلاش کیا وہاں تو میدان صاف تھا بس یہ حالت دیکھتے ہی فوراً جان نکل گئی کوئی بزرگ اس وقت تھے ان کو واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ ان اشرفیوں کو اس کے ساتھ ہی دفن کردیا جائے کوئی ان کو اپنے کام (۵) میں نہ لائے کیونکہ جس مال نے مسلمان کی جان لے لی وہ ضرور نامشروع طریق سے جمع کیا گیا تھا یہ بھی سنا ہے کہ کسی بیباک شخص نے ان اشرفیوں کو قبر میں سے نکالنا چاہا ہاتھ لگانا تھا کہ ایک آگ لگ گئی جب تک زندہ رہا ہر وقت انگلی کو پانی میں رکھتا تھا' غرض بعضے تو اس کی حسرت میں مرگئے ہیں۔

ناپسندیدہ حالت

اور ایسے لوگ تو کثرت سے دیکھے جاتے ہیں جو اولاد کے مرنے پر بدحواس ہوجاتے ہیں اور زبان سے ایسے کلمات کہہ ڈالتے ہیں کہ خدا کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور اگر تہذیب سے کام بھی لیا تو اس وقت خدا سے ان کا دل ویسا راضی نہیں ہوتا جیسا پہلے تھا یہ حالت تو بہت ہی عام ہے' افسوس خدا تعالیٰ نے تو اپنی ہی

---

(۱) اشرفی سونے کی ہوتی تھی (۲) روز گنا کرتا تھا (۳) شرارتی لڑکوں کو پتہ لگ گیا (۴) اندیشہ ہوا (۵) ممکن ہے کہ اس مُلّا کا کوئی وارث نہ ہو۔۱۲ظ۔

چیز لی تھی تمہاری چیز نہیں لی حالانکہ دنیا کے محبوبوں کو تو تم خود اپنی چیزیں دیتے ہو اور وہ اگر نہ لیں تو یوں کہتے ہو ۔

چو درچشم شاہد نیاید زرت زر و خاک یکساں نماید برت (۱)

صاحبو! کیا یہ حالت افسوس کے قابل نہیں ہے۔

حاجی صاحبؒ کا اندازِ تربیت

اب عارفین کی حالت کو دیکھو کہ وہ دنیا کو قید خانہ سمجھتے ہیں جو یہاں سے جاتا ہے وہ عقلاً اس پر خوش ہوتے ہیں گو طبعاً رنج ان کو بھی ہوتا ہے، حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس ایک شخص روتا ہوا آیا کہ حضرت میری بیوی مر رہی ہے دعا کیجئے وہ بچ جائے حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ ایک تو جیل خانہ سے رہائی پا رہا ہے اور یہ رو رہے ہیں کہ تو جیل خانہ سے کیوں نکلتا ہے تو بھی جیل خانہ سے نکلا چاہتا ہے وہ کہنے لگا حضرت میری روٹی کون پکائیگا، فرمایا جی ہاں جب آپ ماں کے پیٹ سے نکلے تھے اس وقت بھی بیوی روٹی پکاتی ہوئی ساتھ آئی تھی میاں جس نے ماں کے پیٹ میں تم کو پالا وہ اب بھی پالیگا ان باتوں پر تو حضرت ظرافت کے ساتھ باتیں کرتے رہے پھر اس نے کہا کہ حضرت فلاں شخص نے مجھے اپنے ساتھ مدینہ لے جانے کا وعدہ کیا تھا اب وہ انکار کرتا ہے دعا فرمایئے کہ وہ مجھے مدینہ لے جائے، ظاہر میں یہ بات غصہ کی نہ تھی مگر حضرت کو اس پر غصہ آگیا اور تیزی کے ساتھ فرمایا کہ بس بس ہمارے سامنے یہ شرک کی باتیں نہ کرو، کیا وہی شخص لیجائیگا تو تم مدینہ پہنچوگے ورنہ نہیں پہنچوگے مخلوق پر اتنی نظر توبہ کرو، ہر چند کہ مخلوق پر نظر پہلی باتوں میں بھی تھی مگر وہاں مخلوق پر نظر تھی اس کے خادم ہونے کی حیثیت سے اور یہاں نظر تھی بڑا اور کارساز

(۱) میرا مال جب محبوب کی نظروں ہی میں نا سمایا تو میرے لئے مال و دولت اور خاک و مٹی ایک جیسی ہے۔

ہونے کی حیثیت سے اس لئے حضرت نے اس کو شرک بات فرمایا مقصود یہ تھا کہ حضرت نے دنیا سے جانے کو جیل خانہ سے نکلنا فرمایا طبعی رنج ہونا قابلِ شکایت نہیں مگر ایسا رنج کہ پیٹ پھاڑنے لگے یقیناً بُرا ہے۔

حصولِ دنیا پریشانی کا سبب ہے

تو یہ دنیا ذھاب(۱) کے وقت یہ غم دیتی ہے اور جب پاس ہوتی ہے اس وقت بھی تکدر کا (۲) سبب ہے کیونکہ سینکڑوں افکار اس کی ساتھ ہوتے ہیں چنانچہ دنیا کا میزان الکل مال ہے کہ اس سے ہر چیز حاصل ہوسکتی ہے اس کی حالت یہ ہے کہ جب مال نہ تھا تو جنگل میں سورہنا آسان تھا اور اب مال آنے کے بعد گھر میں سونا بھی مشکل ہے چین سے نیند نہیں آتی' چنانچہ ایک گرو اور چیلے کی حکایت مشہور ہے کہ دونوں رات کو سفر کر رہے تھے چیلے نے کہا مجھے تو ڈر لگتا ہے گرو نے تسلی کی اس نے تھوڑی دور چل کر پھر کہا کہ ڈر لگتا ہے گرو نے کہا معلوم ہوتا ہے تیرے پاس کچھ رقم ہے کہ ہاں ایک روپیہ ہے کہا اس کو پھینک دے چیلے نے روپیہ پھینک دیا اس کے بعد کچھ دور چل کر گرو نے پوچھا کہ اب تو ڈر نہیں لگتا کہا بالکل نہیں' تو واقعی اس مال کی وجہ سے بہت سے خطرات و افکار میں انسان مبتلا ہوجاتا ہے اور جو مفلس ہوا سے کیا خوف ؎

لنگکے زیر و لنگکے بالا نے غم دزو نے غم کالا (۳)

ایسے شخص کو تو اگر کوئی قید خانہ میں بھی بھیجے تو گھر سے روٹی دینا پڑتی ہے مفلس کو جیل خانہ سے بھی ڈر نہیں لگتا کہ پکی پکائی ملے گی۔

---

(۱) دنیا جب جاتی ہے تو غم دیتی ہے (۲) جب دنیا پاس ہوتی ہے تو بھی پریشانی کا باعث ہوتی ہے (۳) ایک لنگی پہنی ہوئی ہے ایک چادر اوڑھی ہوئی ہے نہ چوری کا ڈر نہ چکاری کا۔

کثرتِ مال کا نقصان

اور مالداروں کی حالت یہ ہے کہ بنیئے کی قوم سب سے زیادہ مالدار ہے مگر سب سے زیادہ ڈرنے والی بھی یہی قوم ہے مال کو بڑی بڑی تدبیروں سے رکھتے ہیں اور راتوں کو پہرہ دیتے ہیں، مدینہ کے راستوں میں ایک راستہ مسکینوں کا بھی ہے اس میں مسکین لوگ بڑی راحت سے رہتے ہیں کہ بدو ہر منزل پر ان کی دعوت کرتے ہیں پھر مدینہ پہنچ کر تو ان کی قدر بہت ہی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ حضور ﷺ مسکینوں کے عاشق ہیں جن غریبوں کی یہاں قدر نہیں حضور ﷺ کو ان کی بہت ہی قدر ہے اور جو لوگ مالدار ہیں اور شیطانی راستہ سے سلطان بن کر جاتے ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ روپے کمر سے باندھتے اور نوٹ بازو پر باندھتے ہیں اور ہر وقت لوٹ مار سے ڈرتے رہتے ہیں یہ تو مال کی حالت ہے۔

کثرتِ جماع کا نقصان

اب دنیا کے اور شعبوں کو دیکھو جن میں سے ایک نکاح ہے اس کی یہ حالت ہے کہ جو لوگ زیادہ نکاح کرتے ہیں یا ایک ہی بیوی سے زیادہ مشغول رہتے ہیں اس عیش کا انجام یہ ہے کہ کسی کی نگاہ کمزور ہو جاتی ہے کسی کے ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہو جاتا ہے کسی پر فالج پڑ جاتا ہے پھر سب عیش منغص (۱) ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حفاظت

کھانے کو لو تو یہ بھی کدورت سے خالی نہیں کیونکہ کھانے سے بعض دفعہ پھندا لگ جاتا ہے اور یہاں سے خدا کی ہستی معلوم ہوتی ہے کیونکہ انسان کے حلق میں دو سوراخ ہیں ایک سانس کے لئے ایک طعام وشراب (۲) کے لئے اگر کھانا پانی

(۱) سارا عیش جاتا رہتا ہے (۲) کھانے پینے کے لئے۔

سانس کے سوراخ میں پہنچ جائے تو پھندا لگ کر انسان ہلاک ہوجاتا ہے اب بتلاؤ کہ وہ کون ہے جو کھانے پانی کو سانس کے سوراخ میں جانے سے روکتا ہے اگر ہم خود روکتے ہیں تو بالکل غلط کیونکہ تم کو تو ان دونوں سوراخوں کی خبر بھی نہیں کہ کونسا سانس کا ہے اور کونسا کھانے پینے کا یہ اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت ہے: ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ﴾(۱) کا منظر بنادیا ہے کہ کیا مجال کہ طعام منفذِ نفس(۲) میں جاسکے بکثرت اس کا وقوع نہیں ہوتا ہاں کبھی اظہار عجز انسان (۳) بھی ہوجاتا ہے کہ سانس کے راستہ میں کھانا پانی پہنچ جاتا ہے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ کھانا بھی وبال جان ہے اگر خدا کی حفاظت نہ ہو۔

صاحبو! حق تعالیٰ آپ کی حفاظت فرماتے ہیں اور اس کے لئے ملائکہ بھی مقرر ہیں اسی کو شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری(۴)

اور اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾(۵) مسخر ہونے کا وہی حاصل ہے کہ درکارند اس پر شاید یہ شبہ ہو کہ زمین و آسمان تو ہمارے مسخر و تابع نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ﴿سَخَّرَ لَكُمْ﴾ میں لام صلہ کا نہیں بلکہ نفع کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے منافع و مصالح کے لئے زمین و آسمان کو اور سب چیزوں کو اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے تو یہ خدا کی حفاظت و تسخیر کا نتیجہ ہے کہ کھانے میں آپ کو لذت آتی ہے ورنہ وبال جان ہوجائے پھر

(۱) ”اسی نے دریاؤں کو (صورۃً) ملایا کہ ظاہر میں باہم ملے ہوئے ہیں اور حقیقت میں ان دونوں کے درمیان ایک حجاب قدرتی ہے کہ دونوں حد سے بڑھ نہیں سکتے“ سورۂ رحمٰن: ۱۹، ۲۰ (۲) کیا مجال کہ کھانا سانس کے سوراخ میں داخل ہوسکے (۳) انسان کے عجز کا اظہار بھی ہوجاتا ہے (۴) ایک روٹی کی تیاری میں آب و ہوا چاند سورج فلک سب مشغول ہیں جب تمہارے ہاتھ میں ایک لقمہ آتا ہے، اس لئے اس کو غفلت سے نہ کھاؤ (۵) ”کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہیں“ ۱۲ منہ سورۂ لقمٰن: ۲۰۔

کھانے سے اگر سدہ (۱) پڑ جائے تو روتے پھرتے ہیں اور علاج معالجہ میں رقمیں صرف کرتے ہیں تو یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی حفاظت ہے کہ کھانے کو منہضم (۲) کر کے بآسانی فضلہ کو خارج کر دیا جاتا ہے ورنہ کھانا ہی سم قاتل (۳) ہو جائے۔

دوستوں اور اولاد سے تعلق کی حقیقت

دنیا کا ایک شعبہ دوست اولاد ہیں جن سے انسان کو بہت تعلق ہو جاتا ہے مگر حقیقت میں دوست دشمن سے زیادہ مضر ہوتا ہے دشمن محض مال یا جان لیتا ہے اور دوست بسا اوقات ایمان بھی لے لیتا ہے اور ایمان سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں۔ دوستوں کی وجہ سے انسان غیبت و شکایت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس سے ایمان کو نقصان پہنچتا ہے (۴) پھر اگر دوستوں کے خلافِ مذاق کام کیا اور وہ دشمن ہو گئے تو وہ دشمنوں سے زیادہ ضرر پہنچاتے ہیں۔

اولاد کی یہ حالت ہے کہ جب تک باپ کے دستِ نگر (۵) ہیں محتاج ہیں اس وقت تک باپ کو ان سے محبت ہے ان کو باپ سے ہے' اور جب نکاح ہو گیا ملازم ہو گئے اب دیکھو باپ ماں کو ان سے کتنا تعلق ہے اور ان کو باپ ماں سے کتنا تعلق ہے بعض دفعہ باہم ایک دوسرے کی صورت سے نفرت کرنے لگتے ہیں پس والدین کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ہم کو اولاد سے محبت ہے بلکہ باپ کو اپنی ذات سے محبت ہے ورنہ اولاد کے نقصان پر تو روتا نفع پر کیوں روتا ہے مثلاً معصوم بچہ کا مر جانا خود بچہ کے لئے تو نافع (۶) ہے کیونکہ بالغ ہو کر نہ معلوم جنتی ہوتا یا دوزخی اور اب تو بلاشبہ جنتی ہے مگر والدین روتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ باپ ماں کو اپنی راحت سے محبت ہے اسی طرح بعض لوگ اپنے معتقدوں کی کثرت سے خوش ہیں مگر

(۱) پاخانہ نہ آئے قبض ہو جائے (۲) ہضم کر کے پاخانہ نکال دیتے ہیں (۳) کھانا ہی زہر کا کام کرے (۴) حدیث میں ہے ((الغیبة اشد من الزنا)) (۵) ماں باپ کی محتاج ہے (۶) فائدہ مند۔

حقیقت میں کوئی کسی کا معتقد نہیں بلکہ ہر ایک اپنا معتقد ہے اگر تم ان کے خلاف مذاق کام کرو تب دیکھو وہ کیسے معتقد رہتے ہیں۔

لوگوں کے اعتقاد کی حقیقت

ایک واعظ کی داڑھی لمبی تھی وہ وعظ کہہ رہے تھے اور ایک دیہاتی رو رہا تھا واعظ صاحب خوش تھے کہ میرے وعظ کا اثر ہوا مگر اب یہ چاہا کہ لوگوں کے سامنے بھی اس سے اسکا اقرار کرادیں اس لئے اُس دیہاتی سے پوچھا کہ تو کس بات پر رو رہا تھا کہا مولوی صاحب تمہاری داڑھی جب ہلتی تھی تو مجھے اپنا بکرا یاد آتا تھا جو مر گیا ہے کیونکہ اس کی داڑھی بھی اسی طرح ہلتی تھی سو حقیقت میں سب اپنے بکرے کے معتقد ہیں تم خوامخواہ ان کے ہاتھ اپنی بکری (۱) مت کرو۔

مخلوق سے محبت ادائے حقوق کے لئے ہو

یاد رکھو تمہارا دوست خدا کے سوا کوئی نہیں اللہ تعالیٰ کو آپ سے کوئی نفع نہیں پھر بھی وہ آپ کو چاہتے ہیں بلکہ تم تو ان کو کیا نفع دیتے وہ خود اپنے گھر سے تم کو بہت کچھ دیتے ہیں یہ نہیں کہتا کہ اولاد اور دوستوں سے بالکل محبت نہ ہونی چاہئے کیونکہ اگر محبت نہ ہوگی تو حقوق ادا نہ ہوں گے اس لئے یہ سنت کے خلاف نہیں کیونکہ حضور ﷺ کو حضرات حسنینؓ سے بہت محبت تھی حتی کہ ایک بار یہ صاحبزادے لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں ایسے وقت آگئے کہ حضور ﷺ منبر پر خطبہ فرمارہے تھے کہ قدموں کو ڈگمگاتا ہوا دیکھ کر حضور ﷺ منبر سے خطبہ کے درمیان میں اتر پڑے اور ان کو آغوش میں لے لیا اور خطبہ شروع کیا۔

---

(۱) تم بلاوجہ اپنے آپ کو ان کے ہاتھ مت فروخت کرو۔

مگر حقیقت میں یہ رحمت وشفقت ہے جس کی صورت محبت کی سے ہے ورنہ حقیقی محبت آپ کو مخلوق سے ہرگز نہ تھی اسی لئے حدیث میں ہے: ((لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکن احمد اللّٰہ صاحبکم خلیلا))(۱) مگر صورۃً ازواج واولاد کے اس تعلق کو محبت کہہ دیا گیا ورنہ حقیقت میں آپ کو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے محبت تھی۔

اللہ تعالیٰ سے محبت بے فکری کا باعث ہے

اور جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو اس کو بڑی بے فکری ہے کیونکہ اس کا محبوب ایسا ہے جو نہ کبھی بیمار ہوسکتا ہے نہ ہلاک ہوسکتا ہے رہی ناراضی کی تکلیف جو حق تعالیٰ اپنے بندہ سے کبھی روٹھتے ہی نہیں بلکہ بندہ خود روٹھتا ہے کہ نافرمانی کرنے لگتا ہے سو یہ تمہارے اختیار میں ہے کہ تم خود مت روٹھو اور اگر کبھی روٹھ جاؤ تو توبہ کرلو توبہ سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور جو امور غیر اختیاری ہیں اُن سے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہی نہیں اور اختیاری امور میں بھی ان خطاؤں پر ناراض ہوتے ہیں جن میں خطا کا قصد کیا گیا ہو اور اگر اجتہادی غلطی ہو تو اس پر تو ثواب ملتا ہے۔

طالبانِ دنیا کا حال

غرض دنیا کی محبت میں کچھ حلاوت نہیں اس کی حقیقت میں غور کرو تو یہ خود قابل نفرت ہے دیکھئے صحت دنیا میں بڑی نعمت ہے مگر جس کی صحت اچھی ہو اور خدا اس کو بڑی عمر دیدے کہ سو سوا سو برس کا ہوجائے تو اب اس کی حالت دیکھو کہ بڑھاپے میں موت کی تمنا کرنے لگتا ہے ہماری تائی کی بڑی عمر ہوئی تھی مگر وہ ہمیشہ

(۱) ''اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو منتخب کرتا لیکن میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں جو تمہارے ساتھی کے دوست ہیں'' ۱۲ منہ۔

موت کی تمنا کرتی تھیں۔ پس خدا کی حالت کو بوڑھوں سے اور عمر زدہ لوگوں سے پوچھو یہ معنی ہیں: ﴿لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ﴾ کے‘ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ طالبانِ دنیا کو اپنے مطلوب کی بھی خبر نہیں اس کا ایک تو یہی مطلب ہے کہ دنیا دار کو دنیا کی حقیقت معلوم نہیں اس کے انجام سے وہ بے خبر ہے دوسرے دنیا دار اس معنی کر بھی دنیا کو نہیں جانتے کہ وہ محض ساز و سامان کو دنیا سمجھتے ہیں حالانکہ دنیا کی روح راحت ہے اور وہ ان لوگوں کو حاصل نہیں کیونکہ یہ لوگ تکلیفات میں مقید ہیں ان کی زندگی تصنع اور تکلف (۱) کی وجہ سے بے تکلف ہے ان کو راحت نصیب نہیں چنانچہ عورتیں آپس میں ملتی ہیں تو ان کا ملنا ملانا محض نفاق اور بناوٹ سے ہوتا ہے ملنے سے جو مقصود ہے یعنی راحت وہ ان کو حاصل نہیں‘ اسی طرح رسوم شادی میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں مگر دل اندر سے رنجیدہ ہوتا ہے کہ بہت رقم لگ گئی قرض بہت ہوگیا کہاں سے اتریگا۔

اہل اللہ اور بچوں کی زندگی راحت کی ہے

بس زندگی تو اہل اللہ کی ہے یا بچوں کی کہ ان میں تکلف نہیں ہوتا اور یاد رکھو راحت ہمیشہ بے تکلفی سے ہوتی ہے اہل دنیا بات کرتے ہیں تو حضور کھجور کہتے ہیں یا جناب کہتے ہیں جو جنابت (۲) سے مشتق ہے اور غریبوں میں ایسی سادگی ہے کہ ایک گاؤں والا میرے پاس آیا میں نے کہا کھانا کھالے‘ کہنے لگا کہ میں تو گھر کھا چکا وہ بھی تیرا ہی ہے مجھے اس کی سادگی سے بہت ہی مسرت ہوئی کہ لوگوں کے القاب و آداب سے بھی وہ مسرت نہ ہوتی۔

---

(۱) دکھاوے اور بناوٹ (۲) ناپاکی کی حالت جس میں غسل واجب ہوتا ہے‘ بطور لطیفہ کے فرمایا کہ لفظ جناب جنابت سے نکلا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ دنیا داروں کے پاس بیٹھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پنجرہ میں مقید ہوجاتے ہیں خود اپنی حالت بیان کرتا ہوں کہ میں دعوت میں ایک پُر تکلف صاحب کے ساتھ شریک ہوگیا وہ چھوٹے چھوٹے لقمے لیتے تھے اور بڑے تکلف سے کھاتے تھے ان کے ساتھ مجھے بھی آہستہ کھانا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا پیٹ نہ بھرا کیونکہ اس طرح کھانے سے سیری(۱)نہیں ہوتی' اسی طرح ایک داعی کھانا کھلاتے ہوئے میرے اوپر مسلط ہوگئے کہ ہر چیز میرے سامنے رکھتے جاتے تھے کہ یہ کھاؤ اور وہ کھاؤ اس سے بھی میرا کھانا منغض (۲) ہوگیا اب میں نے شرط کرلی ہے کہ جب دعوت کرو تو بتلادو کہ میرے ساتھ کھانے میں کون کون شریک ہوگا بعض دفعہ میں یہ شرط کرلیتا ہوں کہ تنہا کھاؤں گا۔

آج کل کی تہذیب

خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ہم کو مُلّا نوں میں داخل کردیا ہے اس لئے ان پابندیوں کی فکر نہیں ہے خدا تعالیٰ والد کی قبر کو ٹھنڈا کرے کہ وہ مجھے مُلّا نوں میں داخل کرگئے ہیں اگرچہ پورا مُلّا تو نہ ہوا مگر سینگ کٹا کر بچھڑوں میں تو داخل ہوگئے آج کل کی تہذیب کا یہ حال ہے جو سراسر تعذیب ہے کہ میرے پاس کانپور میں ایک داروغہ آئے جبکہ میں مسجد کے اندر حدیث کا درس دے رہا تھا وہ آدھا گھنٹہ تک لب فرش کھڑے رہے کیونکہ وہ کوٹ پتلون میں جکڑے ہوئے تھے فرش پر بیٹھنے سے مجبور تھے آخر کار واپس ہوگئے پھر ایک صاحب سے شکایت کی میں آدھ گھنٹہ تک کھڑا رہا مجھ سے ایک بات نہ کی نہ میرے پاس آئے میں تو بوٹ

(۱) پیٹ نہیں بھرتا بلکہ پیٹ اعتدال کے ساتھ درمیانے لقمے کھانے سے بھرتا ہے (۲) میرا کھانا مکدر ہوگیا۔

جوتوں کی وجہ سے کہ ان کا کھولنا باندھنا وقت طلب ہے مجبور تھا' انہوں نے جواب دیا کہ تم بوٹ جوتوں میں قید تھے وہ حدیث وقرآن میں قید تھے اب خود انصاف کرلو کہ کس کا عذر قوی ہے' افسوس یہ لوگ اس قدر تو مقید ہیں اس پر دعوی یہ ہے کہ ہم آزاد ہیں کیا آزاد ایسے ہی ہوتے ہیں جو سر سے پیر تک فیشن میں جکڑے ہوئے ہیں بس ان کی آزادی کی حقیقت یہ ہے کہ دین سے اور خدا سے آزاد ہیں۔

اہل اللہ کی آزادی

آزاد حقیقت میں اہل اللہ ہیں کہ جہاں چاہیں بیٹھ جائیں خواہ تخت ہو یا کرسی یا فرش ہو یا زمین اور ہر لباس میں رہ سکتے ہیں خواہ قیمتی ہو یا گھٹیا صاف ہو یا میلا پھٹا ہوا ہو یا سالم کسی سے ان کو عار نہیں ؎

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں   مانمی خواہیم ننگ و نام را (۱)

ہاں البتہ ان کو ایک قید ضرور ہے وہ یہ کہ محبوب کی آغوش میں بیٹھے ہوئے ہیں اس سے الگ نہیں ہو سکتے یعنی اس کی مرضی کے تابع ہیں مخالفت نہیں کر سکتے مگر یہ قید ایسی لذیذ ہے ؎

اسیرت نخواہد رہائی زبند   شکارت تجوید خلاص از کمند (۲)

اس قید میں ان کو راحت ہے اس سے نکلنا ان کے واسطے موت ہے عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

از فراق تلخ می گوئی سخن   ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن (۳)

---

(۱) اگرچہ شہرت نہ ہونا اہل عقل کے نزدیک بدنامی ہے لیکن مجھے نام ونمود کی خواہش ہی نہیں ہے (۲) تیرا قیدی تیری قید سے رہائی کا طالب نہیں تیرا شکار تیرے جال سے نکلنا نہیں چاہتا (۳) مجھے اپنے سے جدا ہونے کو نہ کہہ کہ یہ مجھ پر بہت بھاری ہے جو چاہے کر لیکن یہ نہ کر کہ مجھے اپنے سے جدا کر دے۔

دنیا داروں کی آزادی کا حال

پس آزاد یہ لوگ ہیں ورنہ دنیا دار تو ایسے مقید ہیں کہ خدا کی پناہ بھلا اور تو اور میرٹھ کے ضلع میں بعض دیہات کے چمار عیسائی ہوگئے ہیں تو ان کے فیشن کی یہ حالت ہے کہ دن بھر جوتے بناتے اور سیتے ہیں اور شام کو پھٹا پرانا کوٹ پتلون اور بوٹ پہن کر (۱) تفریح کے واسطے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر سڑکوں پر نکلتے ہیں اور کھانا کھانے کی یہ صورت ہے کہ ایک تختہ کے اوپر کھانا رکھ لیا جس کے نیچے اینٹیں رکھ لی اور گھڑے اُلٹے کرکے ان پر بیٹھ گئے اور ببول کے کانٹوں سے روٹی کھاتے ہیں' دنیاداروں کی ریس میں چماروں کی بھی آزادی سلب (۲) ہوگئی کہ اب وہ بے تکلف جس طرح گاؤں والے رہا کرتے ہیں نہیں رہ سکتے مجھے انہی لوگوں میں کا ایک قصہ یاد آیا کہ ایک عیسائی چمار کوٹ پتلون پہنے ہوئے رات کو جارہا تھا کہ راستہ میں بارش زور سے آگئی سامنے نہر کی چوکی تھی جس میں ایک مسلمان چوکیدار جس کا نام ظہور علی تھا سو رہا تھا یہ صاحب بہادر چوکی پر پہنچے اور جا کر آواز دی اوجھور لی اوجھور لی (۳) کواڑ کھول صاحب باہر کھڈے بھیگیں ہیں (یعنی کواڑ کھولدے صاحب باہر کھڑے بھیگ رہے ہیں) چوکیدار گھبرا کر اُٹھا کہ شاید نہر کا کوئی افسر آگیا ہے اس نے کواڑ کھولا اور اسے پوچھا کہ صاحب کہاں ہیں کہا ہور ہم ہیں نہیں (اور ہم ہیں نہیں) ظہور علی نے جوتا نکال کر دس پانچ رسید کئے کہ بدمعاش صاحب بہادر بنا پھرتا ہے جا اپنا راستہ لے' غرض دنیادار سراسر قید اور تکلیف میں ہیں ان کو خاک راحت نہیں۔

(۱) جو نیلام میں سستا خرید لیا جاتا ہے ۱۲ ظ (۲) دنیا داروں کی نقل میں جمعداروں کی آزادی بھی جاتی رہی (۳) اے ظہور علی' ظہور علی۔

دنیا میں حصولِ راحت کا طریقہ

واقع میں عیش و راحت اہل اللہ کو ہے جس کا ایک گُر ہے اور یہی گُر ان کی آزادی کا راز ہے وہ یہ کہ غم کی یہ حقیقت ہے کہ امید کے خلاف کوئی بات ہو' عورتیں اس کو ضرور سنیں کیونکہ ان کو امیدیں بہت ہوتی ہیں کہ بھاوج کے واسطے مجھے یوں کرنا چاہئے تو وہ بھی میرے ساتھ ایسا برتاؤ کریگی' نند کے واسطے یوں کرنا چاہئے ورنہ وہ یوں کہے گی غرض رشتہ داروں اور دوستوں اور نوکروں وغیرہ سے جو رنج پہنچتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو ان سے امیدیں ہوتی ہیں اہل اللہ نے اس جڑ ہی کو اُڑا دیا ہے یعنی ان کو کسی سے کچھ امید نہیں ہے مخلوق سے سب امیدوں کو قطع کر دیا ہے' مولانا گنگوہیؒ نے ایک بار اسی مضمون کو بیان فرمایا کہ بھائی کسی سے توقع مت رکھو پھر خدام سے فرمایا کہ بتلاؤ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے مربی ہیں محسن ہیں حضرت کا ہم پر وہ احسان ہے جس کا شکریہ ادا نہیں ہوسکتا' فرمایا کہ میں تم کو دل سے کہتا ہوں کہ تم مجھ سے بھی کچھ توقع نہ رکھو بس خدا سے امید رکھو اور کسی سے مت رکھو' تو ایسا شخص جس کی رگ رگ میں توحید بسی ہوئی ہو اس کو کسی سے کیا رنج ہوسکتا ہے اسی کو سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

گر گزند رسد زخلق مرنج　　　　که نه راحت رسد زخلق نه رنج
از خدا داں خلاف دشمن و دوست　　　　که دل ہر دو در تصرف اوست (۱)

---

(۱) مخلوق کی طرف سے کسی تکلیف کے پہنچنے سے رنجیدہ نہ ہو کہ مخلوق خود سے نہ راحت پہنچاتی ہے نہ تکلیف بلکہ خدا ہی کسی کو تمہارا دوست یا دشمن بناتا ہے کہ سب کے دل اسی کے قبضہ میں ہیں۔

مصائب کا فائدہ

مگر اس کا یہ اثر نہ لینا کہ تم خدا ہی سے روٹھ جاؤ کہ سب تکالیف وہی پہنچاتے ہیں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں درحقیقت وہ تمہاری ہی مصلحت ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے بچہ کی آنکھیں دکھتی ہیں تو ماں اس کی آنکھوں میں جست وغیرہ بھرتی ہے بچہ اس سے بہت روتا ہے اور اس وقت ماں پر غصہ کرتا ہے مگر سمجھدار ہوکر ماں کو دعا دیگا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو آج میں بالکل اندھا ہوتا اسی طرح صبح کو ماں بچہ کا منہ دھوتی ہے آنکھوں سے چیپڑی اور ناک سے چوہے نوچتی ہے بچہ اس پر بھی روتا ہے مگر کون نہیں جانتا کہ اس میں سراسر بچہ کی ہی مصلحت ہے' مجھے خوب یاد ہے کہ ایک دفعہ میرے سر میں بڑے بڑے بال تھے ان میں میل بہت جم گیا تھا اور کئی ہفتہ سے سر نہ دھویا تھا تائی صاحبہ میرا سر دھونا چاہیں مگر میں بھاگ جاتا تھا جب بہت دن ہوگئے تو تائی صاحبہ نے یہ ترکیب کی کہ میرے آنے سے پہلے پیالے میں کھلی بھگودی اور جب میں گھر میں آیا تو دفعۃً میرے سر میں کھلی لپیٹ دی اس کے دھونے کے لئے بجبوری مجھے سر دھونا پڑا تو اس وقت ان کا یہ فعل مجھے ناگوار ہوا مگر آج ان کی محبت کی قدر کررہا ہوں۔

اسی طرح حق تعالیٰ جو تم کو رنج وتکلیف دیتے ہیں حقیقت میں وہ تمہاری بھلائی کرتے ہیں یہاں بھی اور آخرت میں بھی کیونکہ اگر یہاں بلائیں نہ آئیں تو ہم کو خدا کی طرف توجہ نہ ہو قاعدہ یہی ہے کہ انسان کو مصیبت میں خدا یاد آتا ہے اگر مصیبت نہ ہو تو انسان فرعون بے سامان (۱) ہوجائے اور اس حالت میں اگر موت آگئی تو بجائے دنیا کے تم آخرت میں نار جہنم (۲) کے ذریعہ سے پاک کئے جاؤ گے

(۱) بغیر ساز وسامان ہی کے فرعون بن جائے (۲) دوزخ کی آگ سے تمہارے گناہوں کا میل دور کیا جائے گا۔

میں آپ کو بشارت سناتا ہوں کہ مسلمانوں کے حق میں عذاب جہنم تطہیر کے لئے ہے تعذیب کے لئے نہیں ہے اور اس کو تم بھی جانتے ہو کہ گھر کا چراغ چکٹ (۱) جائے تو اس کو آگ میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے تو تم خدا کے گھر کے چراغ ہو مگر چکٹے ہوئے ہو اس لئے جہنم کی آگ سے تمہارا میل صاف کیا جائیگا اور اگر دنیا ہی میں میل صاف ہو گیا تو پھر آخرت میں صفائی کی ضرورت نہ رہے گی پس اللہ تعالیٰ دنیا میں مسلمان کو مصائب و تکالیف دیکر اس کا میل صاف کرتے ہیں اب بتلاؤ یہ تمہارے حق میں بھلائی ہے یا نہیں یہ تو آخرت کی بھلائی اور دنیا کی بھلائی یہ ہے کہ مصائب و تکالیف سے انسان کے اخلاق درست ہو جاتے ہیں اور اخلاق کی درستی سے بہت راحت ملتی ہے کیونکہ بدخلق (۲) سے سب کو وحشت ہوتی ہے لوگ اس کو ذلیل سمجھتے ہیں نیز اس کے دل پر دنیا کی حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ دنیا دل لگانے کی چیز نہیں ہے اور یہ بڑا علم ہے اگر یہ علم حاصل نہ ہو تو آدمی ہمیشہ جہل میں مبتلا رہے اور جہل بڑا عیب ہے۔

انوکھا علاج

پس اللہ تعالیٰ کیطرف سے جو تم پر امتحانات وارد ہوتے ہیں ان کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص مالیخولیا (۳) کی وجہ سے یہ سمجھتا تھا کہ میرا بدن شیشے کا ہے اس لئے وہ ہر شخص سے دور بھاگتا تھا کہ میرے بدن کو ہاتھ نہ لگانا ٹوٹ جائیگا لوگ اس کو حکیم کے پاس لائے حکیم نے کہا کہ تیرا بدن شیشے کا ہے کہا ہاں تو ہم نے تمہارے بدن کے شیشے توڑ دیئے وہ بہت رویا چلایا' حکیم نے کہا گھبراؤ نہیں ان شیشوں کے

---

(۱) بہت گندہ اور میلا ہو جائے تو آگ میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے (۲) بُرے اخلاق والے سے (۳) پاگل پن کی وجہ سے۔

نیچے سے مضبوط کھال اور ہڈیاں نکلیں گی جو کسی کے ہاتھ لگانے سے شکستہ (۱) نہ ہونگی چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد کمبل اتار لیا اور کہا دیکھو اوپر کے شیشے ہم نے توڑ دیئے اور اب تمہارا مضبوط بدن اندر سے نکل آیا مریض کو یقین آ گیا اور وہ سمجھ گیا کہ میں مضبوط تندرست ہوں اور سب مالیخولیا جاتا رہا' اسی طرح اللہ تعالیٰ ان مصائب کے ذریعہ سے ہمارے مالیخولیا کا علاج کرتے ہیں مگر ہم کو اس حکمت کی خبر نہیں اس واسطے روتے ہیں۔

اہل اللہ کی راحت کا راز

اور میں آپ سے کیا کہوں کہ اہل اللہ کو مصائب میں کیا نظر آتا ہے میں سچ کہتا ہوں کہ انکو ہر واقعہ کی حکمت کھلی آنکھوں نظر آتی ہے اس لئے وہ کسی کلفت سے پریشان نہیں ہوتے پس انکی راحت کا راز یہ ہے کہ مخلوق سے ان کی امیدیں منقطع ہو چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہر فعل کو حکمت و مصلحت پر مبنی سمجھتے ہیں نیز ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت بھی ہے اس لئے اگر حکمت و مصلحت بھی معلوم نہ ہو تو محبت کی وجہ سے وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں ؎

ناخوش تو خوش بود برجان من　　　دل فدائے یار دل رنجان من (۲)

اور کہتے ہیں ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی قضائے تو　　　دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو (۳)

---

(۱) ہاتھ لگانے سے نہیں ٹوٹیں گی (۲) ناگوار حالت بھی اگر محبوب کی طرف سے ہو تو میرے لئے خوشی کا باعث ہے میرا دل تو محبوب کی رضا میں راضی ہے (۳) اگر آپ زندگی عطا فرمائیں تو اس پر خوش ہوں اگر موت دیں اس پر راضی' دل تیرے سے لگا چکے ہیں تو جو کرے میں راضی ہوں۔

اب بتلاؤ راحت میں کون ہے؟ صاحبو! سچ یہ ہے کہ دنیا والوں کو کچھ راحت نہیں وہ کھانا کھاتے ہیں اور کھانا ان کو کھاتا ہے کیونکہ جس شخص کے لئے پھانسی کا حکم دیدیا گیا ہو اس کو ظاہری سامان عیش سے راحت کب مل سکتی ہے؟ اسی طرح جس شخص پر جرائم تعزیرات الٰہیہ قائم ہیں اور وہ جانتا ہے کہ میں خدا کا مجرم ہوں اس کو دنیا میں راحت کیونکر مل سکتی ہے اور اہل اللہ کی شان یہ ہے کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے مگر خوش ہیں کیونکہ ایک چیز ان کے پاس ایسی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ان کو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے وہ کیا ہے؟ وہ آغوش محبوب ہے رضائے محبوب ہے(۱) لذتِ طاعات ہے لذتِ مناجات ہے لذتِ قرب ہے(۲) جس کو عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

ہر کجا دلبر بود خرم نشیں فوق گردون ست نے قعر زمیں

ہر کجا یوسف رخ باشد چوماہ جنت آن گرچہ باشد قعر چاہ(۳)

محبت کا خاصہ

اور اس پر تعجب نہ کیجئے کہ ان لذتوں کی وجہ سے تکالیف کا برداشت کرنا کیونکر آسان ہوگیا جو شخص کسی پر عاشق ہوا ہو وہ اس کو سمجھ سکتا ہے ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ ایک لڑکے پر عاشق ہوگیا تھا اور وہ لڑکا طبیب تھا ایک دفعہ وہ شخص بیمار ہوا تو وہی لڑکا معالج بنا اب اس مریض کی یہ حالت تھی کہ اپنے لئے طول مرض کی دعا مانگتا تھا کہ خدا کرے میں کبھی اچھا نہ ہوں تا کہ یہ لڑکا ہمیشہ معالجہ کو آتا رہے

(۱) محبوب کی گود اور اس کی چاہت ہے (۲) وہ عبادات، مناجات اور قرب کی لذت ہے (۳) ہر وہ جگہ جہاں میرا محبوب ہے مجھے پسند ہے چاہے ساتوں آسمانوں کے اوپر ہو یا زمین کی تہہ میں، جس جگہ یوسف علیہ السلام کا چہرہ ہو وہی چودھویں کا چاند ہے وہ مقام جنت ہے اگرچہ کنویں کی تہہ ہی میں کیوں نہ ہو۔

تو دیکھئے اس مریض کے لئے مرض کی کلفت (۱) محبت کی وجہ سے آسان ہوگئی اب اگر اہل اللہ کا خدا کی محبت میں یہ حال ہوجائے کہ تمام مصائب ان کو آسان ہوجائیں کہ قید خانہ سے تکلیف ہونہ فاقہ سے کلفت ہوتو کیا تعجب ہے۔

اہل اللہ کا موت اور اس کے بعد کا حال

سب سے زیادہ ناگوار چیز موت ہے مگر وہ بھی ان کے لئے آسان ہے کیونکہ موت کے وقت ان کو بشارت ملتی ہے: ﴿يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ (۲) دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ (۳) نیز حدیث میں آتا ہے کہ ملائکہ یوں کہتے ہیں ((ایتھاالروح الطیبة اخرجی الی روح وریحان ورب غیر غضبان)) ''اے پاکیزہ روح چل راحت وآرام کی طرف چل اپنے پروردگار کے پاس جو تجھ سے ناراض نہیں ہے'' اس کے بعد قبر کا مرحلہ ہے وہاں بھی ان کے واسطے بشارت ہے فرشتے کہتے ہیں: ((نم کنومة العروس)) کہ ''دولہا کی طرح بے فکر سوتے رہو'' اس کے بعد محشر کا مرحلہ ہے وہاں ان کی یہ شان ہے: ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ (۴) کہ ان کو اس ہولناک دن میں بھی کوئی خطرہ نہ ہوگا وہاں بھی فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور

---

(۱) مرض کی تکلیف (۲) ''اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش ہو اور وہ تجھ سے خوش ہو پھر ادھر چل کر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا'' سورۂ فجر: ۲۷ تا ۳۰ (۳) ''جن لوگوں نے دل سے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کیا جایا کرتا تھا'' سورۂ حمٓ السجدہ: ۳۰ (۴) سورۂ انبیاء: ۱۰۳۔

بشارت سنائیں گے' مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب نے اسی کا ترجمہ فرمایا ہے ۔

عاشقاں راجز تماشائے جمال یار نیست(۱) عاشقاں را روزِ محشر با قیامت کار نیست

پل صراط پر مولانا رومیؒ نے کسی روایت سے ان کی یہ حالت لکھی ہے کہ پل صراط سے گذر کر وہ ملائکہ سے پوچھیں گے کہ ہم نے تو یہ سنا تھا کہ پل صراط جہنم کے اوپر ہے مگر ہم کو راستہ میں جہنم نظر نہیں آئی فرشتے کہیں گے کہ تم کو راستہ میں باغات نظر آئے تھے؟ کہیں گے ہاں' فرشتے کہیں گے کہ وہ جہنم ہی تھی مگر تمہاری قوت ایمان کی برکت سے وہ تم کو باغ کی صورت میں نظر آئی پھر بتلاؤ ان کو کیا غم۔

حضور ﷺ کی اُمت کے بارے میں فکر

ہاں جن حضرات کی کچھ اتباع(۲) بھی ہیں ان کو ایک غم ہوگا اپنے تابعین کا' انبیاء علیہم السلام کو اپنا کچھ غم نہ ہوگا ہاں امت کا غم ہوگا حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ((لا تسودّوا وجھی یوم القیامۃ)) اس کا ترجمہ کرنے کی بھی ہمت نہیں زبان کانپتی ہے مگر ضرورت کی وجہ سے کرتا ہوں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''دیکھو قیامت میں میرا منہ کالا نہ کرنا'' یعنی مجھے شرمندہ نہ کرنا کہ تمہارے اعمالِ بد کی وجہ سے مجھے انبیاء کے مجمع میں شرمندگی ہو(۳)

---

(۱) عاشقوں کو روز محشر قیامت کے وقوع سے کوئی سروکار نہیں وہ تو صرف اپنے محبوب کے جلوے کے منتظر ہیں(۲) پیروکار(۳)(فدیناک بآبآئنا وامھاتنا وانفسنا یارسول اللہ فوجھک واللہ اضواء من الشمس وانور من القمر ولیس السواد الا بوجوھنا ووجھک بمراحل عنہ وبمعزل منہ' اللّٰھمَّ بیّض وجوھنا ببرکۃ ھذا النبی الکریم الوسیم یوم تبیض وجوہ' صلی اللّٰہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہٖ وسلم دائما ابدا عدد ما یحب وکما یرضی)''یارسول اللہ ﷺ ہمارے باپ اور مائیں اور ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں خدا کی قسم آپ کا چہرہ سورج سے زیادہ روشن اور چاند سے زیادہ منور ہے اور سیاہی تو ہمارے ہی چہروں پر ہے اور آپ کا چہرہ تو اس سے پاک ہے' اے خدا ان نبی کریم کی برکت سے ہمارے چہروں کو اس دن منور کیجئے جس دن کہ چہرے روشن ہوں' درود ورحمت ہو اللہ کی آپ پر اور آپ کے آل واصحاب پر ہمیشہ ہمیشہ'' ۱۲ ط۔

نورِ ایمان کا خاصہ

مقاصدِ حسنہ میں حدیث ہے کہ مومن جب پلصراط پر سے گذریگا تو دوزخ کہے گی (جر یامومن فان نورك قداطفأ ناری) ''اے مسلمان جلدی سے گذر جا کہ تیرے نور نے تو میری آگ کو بھی بجھا دیا'' تو جب نورِ ایمان میں یہ خاصیت ہے کہ دوزخ کی آگ کو بھی بجھا دیتا ہے تو دنیا کے غموم وہموم واحزان کی تو حقیقت ہی کیا ہے' مگر ضرورت اس کی ہے کہ ہم اپنے ایمان میں نور پیدا کریں اسی کی کمی کی وجہ سے ہماری دنیا وآخرت برباد ہورہی ہے اگر یہ نور حاصل ہوجائے تو واللہ دنیا وآخرت کی راحتیں ہمارے ہی واسطے ہیں پھر ہمارے پاس غم ورنج کا نام ونشان بھی نہ رہے ہاں ایک غم رہیگا خدا کی لقاء ورضا کا سو یہ غم لذیذ ہے اگر یہ حاصل ہوجائے تو آپ ہفت اقلیم کی سلطنت پر لات ماردیں گے باقی دنیا کا کوئی غم پاس نہ آئیگا۔

اللہ والوں کا حال

چنانچہ ایک بزرگ کے پاس ایک بادشاہ نے بڑا قیمتی موتی بھیجا بزرگ نے اس کو دیکھ کر کہا الحمدللہ اور خادم سے فرمایا کہ اس کو احتیاط سے رکھدو کچھ عرصہ کے بعد خادم نے عرض کیا کہ موتی چوری ہوگیا بزرگ نے فرمایا الحمدللہ' خادم نے دریافت کیا کہ دونوں حالتوں میں الحمدللہ کس لئے فرمایا اگر ان کی آنے کی خوشی تھی تو جانے کا رنج ہونا چاہیئے تو اس وقت الحمدللہ کا کیا موقع؟ اور اگر جانے کی خوشی ہوئی تو آنے پر رنج ہونا چاہیئے تھا تو اس وقت الحمدللہ کیوں فرمایا؟ بزرگ نے فرمایا کہ میں نے الحمدللہ نہ اس کے آنے پر کہا نہ جانے پر بلکہ اپنے دل کی حالت پر الحمدللہ کہا ہے جب یہ موتی آیا تھا تو میں نے اپنے دل کو دیکھا کہ کچھ خوشی ہوئی یا

نہیں معلوم ہوا کچھ خوشی نہیں اس پر الحمدللہ کہا جب وہ چوری ہو گیا تو میں نے پھر اپنے دل کو دیکھا کہ کچھ رنج ہوا یا نہیں معلوم ہوا کچھ رنج نہیں ہوا تو اس پر میں نے الحمدللہ کہا کہ نہ آنے کی خوشی ہوئی نہ جانے کا رنج ہوا' بتلایئے جس شخص کا یہ حال ہو اس کے پاس رنج و غم کیوں آئیگا۔

غوث اعظمؒ کا حال

اسی طرح حضرت غوث اعظمؒ کے پاس کہیں سے ایک چینی آئینہ بڑا قیمتی ہدیہ میں آیا آپ نے خادم کے حوالے فرمادیا کہ کنگھا کرنے کے وقت ہمارے سامنے رکھدیا کرو ایک دفعہ اتفاق سے وہ آئینہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا وہ ڈرا کہ دیکھئے آج شیخ کس قدر ناراض ہوں گے' چنانچہ ڈرتے ڈرتے اس نے عرض کیا ؎

از قضا آئینہ چینی شکست (۱)

حضرت غوث اعظمؒ نے برجستہ فرمایا ؎

خوب شد اسباب خود بینی شکست (۲)

حضور ﷺ کی شفقت

نیز حدیث میں ہے حضرت انس صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال تک حضور ﷺ کی خدمت کی مگر آپ نے کسی بات پر یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں ہوا اور یوں کیوں نہیں ہوا' حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے ہیں تو ان کی عمر دس سال کی تھی بالکل بچے تھے وہ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ حضور ﷺ مجھے کسی کام کا حکم دیتے کہ یہ کام کرلو تو یہ زبان سے کہدیتے کہ میں تو نہ کرونگا مگر دل میں

(۱) قضائے الٰہی سے چینی آئینہ ٹوٹ گیا (۲) اچھا ہی ہوا کہ خود بینی کے اسباب ختم ہوئے۔

ارادہ ہوتا تھا کہ ضرور کرونگا آپ ﷺ اس پر بھی برا نہ مانتے تھے بعض دفعہ کسی کام کو جاتے اور رستہ میں کھیلنے لگتے اور اتفاقاً حضور ﷺ کا گذر ہوتا تو آپ ان کے کان پکڑ کر فرماتے کہ تم تو کہتے تھے میں جاؤنگا یہ ہنس کر عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ ابھی جاتا ہوں' غرض کسی بات پر آپ غصہ نہ کرتے تھے اس کا راز وہی ہے کہ آپ کی نظر ہر وقت خدا پر تھی مخلوق پر نظر نہ تھی اس لئے آپ کو کسی کے فعل سے رنج نہ ہوتا تھا مگر یہ برتاؤ ذاتی خدمت کے متعلق تھا جن کا تعلق خاص آپ کی ذات سے تھا امورِ شرعیہ کے بارے میں یہ برتاؤ نہ تھا کیونکہ احکامِ شرعیہ کی مخالفت پر تو آپ ﷺ کو اتنا غصہ آتا تھا کہ کوئی برداشت نہ کرسکتا تھا یہی شان اہل اللہ کی ہے۔

پُر لطف زندگی گزارنے کا راز

غرض اللہ تعالیٰ آپ صاحبوں کے واسطے ایسی زندگی چاہتے ہیں کہ جس میں راحت ہی راحت ہو رنج کا نام نہ ہو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نورِ ایمان کو کامل کیا جائے اور نورِ ایمان کے کامل کرنے کا طریقہ وہ ہے جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی ذکر و فکر جس کو دوسرے مقام پر اس عنوان سے ارشاد فرمایا: ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾(۱) کہ ''ہر شخص یہ دیکھتا رہے کہ کل کے واسطے کیا سامان کیا ہے'' یعنی اپنے اعمال کا محاسبہ کرو کہ آج دن بھر میں کتنے کام کئے ہیں کتنے نیک کام ہوئے کتنے گناہ ہوئے جو نیک کام ہوئے ہوں ان پر خدا کا شکر کرو اور جو گناہ ہوئے ہوں ان سے توبہ و استغفار کرو اسی کام کے لئے ایک وقت تو مقرر کرو اور ہر وقت کے لئے دستور العمل یہ ہے کہ جو بات کہو سوچ کر کہو جو کام کرو سوچ کر کرو

---

(۱) سورۂ حشر: ۱۸۔

بے سوچے کام کرنا اور باتیں بنانا دنیا وآخرت دونوں کو مضر ہے پس ہر کام سے پہلے اس کے انجام کو سوچ لو جس سے دوستی کرو اس کی حالت دیکھ لو کہ دوستی کے قابل ہے یا نہیں حدیث میں ہے: ((المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالله)) ''انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے (یعنی دوست کی دینی حالت کا اثر اس کے دین پر ضرور ہوتا ہے) پس ہر شخص دیکھ لے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے'' یعنی اس کی دینی حالت کیسی ہے پس دوستی دیندار لوگوں سے کرو بد دینوں کو دوست نہ بناؤ اسی طرح جس سے دشمنی کرو اس کو بھی دیکھ لو کہ دشمنی کے قابل ہے یا نہیں کفار وفساق سے حدود کے اندر عداوت رکھو مسلمانوں سے اور صلحاء سے دشمنی نہ کرو کہ اس کا وبال سخت ہے اسی طرح ہر کام میں غور کرو جس کی تفصیل تو بہت طویل ہے مگر میں آپ کو ایک گُر بتلاتا ہوں کہ ہر کام میں یہ سوچ لو کہ اس کام سے ہم کو گناہ تو نہ ہوگا اور ایک یہ سوچ لو کہ اس سے ہم پر کوئی ایسی بلا تو نازل نہ ہوگی جس کی برداشت نہ ہو سکے اس کے بعد آپ کی زندگی بہت پُر لطف ہوگی ایسی ہی زندگی اللہ تعالیٰ آپ کے واسطے چاہتے ہیں۔

دستور العمل کا خلاصہ

اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں صرف دو باتیں رہ گئیں ایک تو آیت کا ترجمہ جس کی تلاوت کی گئی ہے دوسرے دستور العمل کا خلاصہ بتلانا' سو وہ دستور العمل تو یہ ہے کہ ہر کام اور ہر بات سوچ کر کرو' دوسرے اپنے اعمال کا حساب کتاب کیا کرو اپنی نافرمانیوں کو سوچو اور ان سے توبہ کرو اور عذاب کو یاد کرو اس سے حیا اور خوف ہوگا۔ پھر جو اعمالِ حسنہ ہوئے ہیں ان کو سوچو اور خدا کا شکر بجا لاؤ اور جنت کی نعمتوں کو یاد کرو اس سے محبت وشوق پیدا ہوگا اور جس شخص میں حیا وخوف اور محبت

وشوق پیدا ہوجائے اس سے کہیں نافرمانی ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ اس سے زیادہ فرمانبردار کوئی نہ ہوگا یہی مقصود تھا اور مجھے یہی بتلانا تھا کہ شکر ایسی محمود چیز ہے کہ دین کی تکمیل اس کے بغیر نہیں ہوسکتی اور دین کی اصلاح وتکمیل کا سہل وآسان طریقہ اس سے بہتر نہیں کہ فکر سے کام لیا جائے اسی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور فکر کے ساتھ ذکر کو بھی بیان فرمایا ہے۔

آیت کا ترجمہ وتشریح

اب میں آیت کا ترجمہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ’’بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں (توحید کے اور دنیا کی حالت وحقیقت جانچنے کے) اہل عقل کے لئے جن کی حالت یہ ہے (جو آگے آتی ہے اور ایسی حالت سے ان کا عاقل ہونا معلوم ہوگا) کہ وہ لوگ (ہر حال میں دل سے بھی اور زبان سے بھی) اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی اور آسمان وزمین کے پیدا ہونے میں (اپنی عقل سے) غور کرتے ہیں (کہ ان کا وجود خود نہیں ہوگیا بلکہ کسی صانع حکیم نے ان کو بنایا ہے کیونکہ جس نظام کے ساتھ زمین وآسمان کی رفتار ہے وہ بدوں کسی چلانے والے کے نہیں ہوسکتی پھر اس کے بنانے والے نے اس نظام میں ہم کو ایک خاص عبرت آموز سبق دیا ہے کہ مخلوق میں کوئی اونچا ہے کوئی پست ہے(۱) کسی میں نور ہے کسی میں ظلمت ہے کسی میں نور زیادہ ہے کسی میں کم ہے اس لئے تم کو اپنی حالت پر قناعت کرنا چاہئے اور دوسروں کی حالت پر حسد نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس میں حکمتیں ہیں جیسا زمین وآسمان میں حکمتیں ہیں پھر دنیا میں یکساں حالت نہیں

(۱) نیچا ہے۔

رہا کرتی بلکہ کبھی دن ہے کبھی رات ہے کبھی روشنی ہے کبھی اندھیرا ہے اور دونوں کی ضرورت ہے دونوں میں حکمت ہے اس لئے تم پر دو قسم کی حالتیں آئیں گی بعض گوارا حالتیں ہونگی بعض ناگوار، پس تم کو ان سے پریشان نہ ہونا چاہئے بلکہ یہ سمجھو کہ جس طرح رات دن میں حکمتیں ہیں اسی طرح ان حالات میں بھی حکمتیں ہیں ان ہی باتوں کو سوچ کر عقلاء کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار آپ نے اس (مخلوق) کو بیکار نہیں پیدا کیا (بلکہ اس میں حکمتیں رکھی ہیں) ہم آپ کو (لایعنی پیدا کرنے سے) پاک اور منزہ سمجھتے ہیں (اسی لئے ہم نے ان کی حکمتوں میں غور کیا اور توحید کے قائل ہوئے کہ جو کچھ ہوتا ہے آپ کے حکم سے ہوتا ہے) سو ہم کو (ایمان کی برکت سے) دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے"۔

اللہ کی یاد کو اصلی کام بناؤ

اس ترجمہ سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے عقلاء کی ایک تو یہ حالت بیان فرمائی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اس کے لئے میں اول ایک مقدمہ بیان کردوں پھر اس کی حقیقت سمجھ میں آجائے گی وہ یہ کہ جس کام کو انسان اپنا اصلی کام سمجھتا ہے زیادہ وقت اسی میں صرف کیا کرتا ہے اور دوسرے کاموں کو اس کے تابع سمجھتا ہے چنانچہ جو شخص اپنے گھر کا حساب کر رہا ہو اس سے اس حالت میں کوئی ملنے آوے تو گو وہ اس سے ملے گا مگر دل اپنے حساب میں لگا رہتا ہے، اسی طرح عورتیں اپنی حالت میں غور کرلیں کہ جب وہ سینے پرونے میں لگتی ہیں اس وقت کوئی ان سے بات کرے تو بات کا جواب دیدیں گی مگر دل سینے میں رہیگا کیونکہ اس کو اپنا اصلی کام سمجھ رکھا ہے، بس اللہ و رسول کا مقصود یہ ہے کہ تم اللہ کی یاد کو اپنا اصلی کام بنالو اور سب کاموں کو تابع بناؤ اصلی کام نہ بناؤ حدیث میں

((لایزال لسانك رطبا من ذكر الله)) کہ ’’تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے یاد سے تر رہے‘‘ اور قرآن میں ہے: ﴿يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ (۱) کہ اللہ کی یاد کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت کرنا چاہئے مگر دل سے توجہ ہر وقت مشکل تھی اس لئے قربان جایئے رسول اللہ ﷺ کے کہ آپ نے اس کا آسان طریقہ بھی بتلا دیا کہ ہر وقت زبان کو اللہ کی یاد سے تر رکھو۔

رِیا کی حقیقت

اگر زبان سے اللہ اللہ کرنا ہر وقت یاد نہ رہے تو تسبیح ہاتھ میں رکھو اور رِیا کا خوف نہ کرو کیونکہ رِیا وہ ہے جو قصد وارادہ سے ہو وسوسۂ رِیا رِیا نہیں ہے بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وسوسۂ ریا کو رِیا سمجھ کر پریشان ہوتے ہیں پس خوب سمجھ لو کہ رِیا یہ ہے کہ آدمی دل سے یہ ارادہ کرے کہ میں یہ عمل مخلوق کے دکھلانے کو کر رہا ہوں یا اس وسطے کر رہا ہوں کہ لوگ مجھے بزرگ سمجھیں اور اگر دل سے یہ ارادہ نہ ہو محض وسوسہ آئے جس کی علامت یہ ہے کہ اس خیال سے جی بُرا ہو تو یہ ریا نہیں، سو ان شبہات میں مت پڑو اور بے فکر ہو کر تسبیح ہاتھ میں رکھو اور کام کرو اور تسبیح کی اصل حدیث ہی سے ثابت ہے اس لئے اس پر بدعت ہونے کا شبہ نہ کرو پھر ذکر میں اختیار ہے خواہ درود پڑھو یا سبحان اللہ الحمدللہ یا اللہ اللہ کرو اور اچھا یہ ہے کہ یا اللہ یا اللہ کرو کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اللہ اللہ کہنے میں بعض علماء نے کلام کیا ہے گو وہ کلام قابل اعتبار نہیں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے اس کے متعلق کسی نے سوال کیا تھا کہ اللہ اللہ کرنے کا حدیث سے بھی ثبوت ہے یا نہیں؟ فرمایا ہاں ثبوت حدیث میں ہے: ((لَا تَقُوْمُ الساعة حتى يقال فى الارض الله الله))

(۱) سورۂ آلِ عمران: ۱۹۱۔

ذکر وفکر کا اہتمام

دوسرا کام اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ جو لوگ عقل والے ہیں وہ آسمان و زمین اور لیل و نہار کی حکمتوں میں غور کرتے ہیں یعنی وہ سوچ اور فکر سے کام لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو فاعل و متصرف نہیں سمجھتے بلکہ حق تعالیٰ ہی کو خالق و مالک و متصرف سمجھتے ہیں اور ان کے ہر کام کو حکمت و مصلحت پر مبنی سمجھتے ہیں اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں خدا کی عظمت و جلالت (۱) پیدا ہوتی ہے اور خدا کے سوا سب سے نظر قطع (۲) ہو جاتی ہے پھر کسی سے امید و توقع باقی نہیں رہتی بلکہ صرف خدا کو راضی کرنے کا خیال رہ جاتا ہے اور اس کے لئے وہ موت کو سوچتے ہیں قبر کی حالت کو سوچتے ہیں جنت و دوزخ کو سوچتے ہیں کہ ایک دن خدا کے پاس جانا ہے موت کا وقت ضرور آئے گا پھر نہ معلوم کیا انجام ہو اس لئے وہ دوزخ سے ڈر کر اس سے پناہ مانگتے ہیں اور اس خوف کی وجہ سے ہر کام کو سوچ کر کرتے ہیں کہ اس کا انجام دوزخ نہ ہو پس فکر اور ذکر یہ دو چیزیں خلاصۂ وعظ ہیں ان کو لازم پکڑ لو فکر سے دل کے اندر خدا کی یاد جم جائے گی پھر ہر وقت خدا کی یاد آسان ہو جائے گی اور خدا کی یاد وہ چیز ہے جس سے دل کو راحت و سکون اور چین ملتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (۳)

خلاصۂ وعظ

اب میں اسی کا ترجمہ ایک بزرگ کے کلام سے کر کے بیان ختم کرتا ہوں مولانا فرماتے ہیں ؎

گر گریزی بر امید راحتے ہم از آنجا پیشت آید آفتے (۴)
ہیچ کنجے بے دو و بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست (۵)

---

(۱) بزرگی (۲) سب سے نظر ہٹ جاتی ہے (۳) سورۂ رعد: ۲۸ (۴) اگر کسی سے امید نہ رکھو گے آرام میں رہو گے زیادہ امیدیں وابستہ کرنے سے ہی مشکلات پیش آتی ہیں (۵) ہر جگہ مختلف قسم کے جال پھیلے ہوئے ہیں آرام تو صرف یادِ حق ہی میں ہے۔

یعنی آرام خلوت گاہ حق کے سوا کہیں نہیں خلوت گاہ حق سے مراد کہ دل میں خدا کی یاد بس جائے کہ ہر وقت اسی کا دھیان رہے دنیا کا کوئی کام ہوا تو مجبوری کو ضرورت کی وجہ سے کرلیا مگر دل اللہ کی یاد میں رہے اس کو کرکے دیکھو بڑی راحت کی چیز ہے عورتوں اور مردوں کو سب کو چاہئے کہ اپنا اصلی کام اللہ کی یاد کو بنالیں دنیا کے کام مجبوری کو کریں پھر اللہ اللہ میں لگ جائیں۔

اب میں ختم کرتا ہوں اور مکرر کہتا ہوں کہ اپنے ہر کام کو پہلے سوچ لیا کرو اور ایک وقت موت کے سوچنے حالاتِ قبر کے سوچنے اور قیامت کے سوچنے کے لئے مقرر کرو اور باقی اوقات میں ذکراللہ میں مشغول رہو اس فکر کا نام ''مراقبہ'' ہے اس سے آپ کو مراقبہ کی فضیلت معلوم ہوئی ہوگی کہ یہ کتنی بڑی چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے جابجا امر بھی فرمایا ہے اور ترغیب بھی دی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے دنیا و آخرت کی راحت حاصل ہوتی ہے۔

اب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور توفیق عمل عطا فرمائیں آمین (۱)۔

اس بیان کا نام مضمون کے مناسب ''المراقبہ'' تجویز کرتا ہوں۔

وصلّی اللّٰہ علی سیّدنا ومولانا محمّد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین۔

---

(۱) اللہ تعالیٰ محشی اور اس کے متعلقین کو بھی فکر آخرت اور یاد الٰہی کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۳ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہم علیہ السلام